ایران میں دین اور لادینی کی کشمکش

خلیل حامدی

ایران میں ایک سال سے متواتر خونیں ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے ——— ملحد اور لادین عنصر تمام اخلاقی اور انسانی اصولوں کو پسِ پشت ڈال کر دین کے استیصال اور دین پسندوں کو تہ تیغ کرنے پر اُترا ہوا ہے۔ نشۂ اقتدار نے اُس کے فہم و فکر کو اس حد تک ماؤف کر دیا ہے کہ اپنی گھٹیا خواہشات کی خاطر ملک کے ۲ کروڑ باشندوں سے اُس نے جنگ ٹھان رکھی ہے۔ دین پسندوں کو "قدامت پرستی" اور "تاریک خیالی" کا طعنہ دینے والے یہ حضرات سینکڑوں بہی خواہانِ وطن کا خون بہا کر اور ہزاروں کو جیلوں میں ظلم و تشدد کا نشانہ بنا کر بھی "ترقی پسندی" اور "روشن خیالی" کے ٹھیکیدار بنے بیٹھے ہیں۔ یہ پورے ملک کا اخلاقی دیوالیہ نکال دیتے ہیں، ۲ کروڑ افراد کی شہری آزادیوں کو غصب کر لیتے ہیں، اپنے تمام عہد و پیمان کے پرزے پرزے اُڑا دیتے ہیں اور ملک کے دستور اساسی میں ناجائز تصرف کرتے ہیں اور جب ان کو بہ ہزار اخلاص و خیر خواہی ٹوکا جاتا ہے تو عقل کے ناخن لینے کے بجائے کف بدہن ہو جاتے ہیں کرنے والوں پر فیلِ بے زنجیر کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ نہ عورتوں کی عزت و ناموس کا انہیں لحاظ ہوتا ہے اور نہ معصوم بچوں اور سفید ریش بوڑھوں کے لیے ان کے دل میں رحم و رعایت۔

یہ خونیں ڈرامہ ایران میں پورے ایک سال سے کھیلا جا رہا ہے۔ اس ڈرامے کا سفاک کردار خوش ہے کہ وہ قتل بھی کرتا ہے تو چرچا نہیں ہوتا اور اس کا مظلوم مگر حق بجانب کردار بے آواز ہے، اس کی زبانیں مقفل ہیں۔ اُس کے قلم زیرِ حراست ہیں۔ اس کی ستم رسیدگی سے دنیا کو مطلع کرنے کے لیے کوئی خبر رساں ایجنسی تیار نہیں ہے۔ بلکہ تمام بیرونی خبر رساں ایجنسیاں، جو کلیتہً مخالفینِ اسلام اور زیادہ تر یہودیوں کے ہاتھ میں ہیں، دنیا کو اس کی اُلٹی ہی خبریں مہیا کر رہی ہیں۔ ہم آپ کو آئندہ صفحات میں اس

ڈرامے کی تفصیل سناتے ہیں۔ یہ درحقیقت ایران میں الحاد اور دین کی کشمکش کی داستان ہے جو علماء ایران و عراق کی ارسال کردہ مطبوعات سے اخذ کر کے یہاں درج کی جاری ہے۔

ایران کی موجودہ حالت اس خونیں ڈرامے کی تفصیلات معلوم کرنے سے پہلے چند باتیں نگاہ میں رہنی ضروری ہیں:

۱۔ ایران اقتصادی لحاظ سے بالکل تباہ ہو چکا ہے۔ اس کا تمام تر دارومدار خارجی امداد پر ہے۔ غربت، افلاس اور مفلوک الحالی ایرانی قوم کو زندہ درگور کر چکی ہے۔ ایران کے بڑے بڑے تجارتی ادارے اور اقتصادی منصوبے صرف چند لوگوں کی مٹھی میں ہیں، جن کی اکثریت یہودی ہے۔ یہودی سرمایہ دار اپنے سرمائے کے بل بوتے پر ایران کے کلیدی مناصب پر چھا رہے ہیں۔ ایک طرف یہ کاروبار پر اجارہ داری کی بدولت ایرانی عوام کے خون کا آخری قطرہ نچوڑ چکے ہیں اور دوسری طرف یہ بے پناہ اثر و نفوذ کی وجہ سے ایران میں اپنی جڑیں مضبوط کرتے جا رہے ہیں۔ اور ایران میں ان کو وہ مراعات حاصل ہیں جو خود اسرائیل میں یہودیوں کو حاصل نہیں ہیں۔ ان کے وسیع اثرات کا اندازہ صرف اس ایک مثال سے ہو سکتا ہے کہ ایران ریڈیو ایک یہودی کی ملکیت ہے۔ یہ شخص چند سال پیشتر معمولی تاجر تھا لیکن اب یہ ایران میں بیسیوں کمپنیوں کا مالک اور بیسیوں کا حصہ دار ہے۔ سرکار دربار میں اسے غیر معمولی تقرب حاصل ہے۔ درآمد و برآمد کی تمام کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں۔

۲۔ اخلاقی لحاظ سے بھی ایران روز بروز انحطاط کی طرف چلا جا رہا ہے۔ عوام کے اخلاقی سرمایہ پر سب سے بڑا حملہ برسر اقتدار طبقہ کی طرف سے ہو رہا ہے۔ ایران کا شاہی خاندان اور طبقہ امراء خود بھی اخلاقی لحاظ سے دیوالیہ ہو چکا ہے اور اپنی اخلاقی غلاظت سے پورے ملک کو بھی ملوث کر رہا ہے۔ اس کی تمام تر کوشش یہی ہے کہ قوم کی عورتوں میں بے حیائی اور نوجوانوں میں بدکرداری پھیلائی جائے۔ مگر عام ایرانی خواتین ابھی تک اپنی مذہبی اور تاریخی روایات کو سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ سیاسی اور ثقافتی مشغلوں سے اُسے دور کا واسطہ نہیں ہے۔ ایران کے حکمران اور سرمایہ دار جن عشرت کوشیوں میں غرق ہیں وہ اُن سے بیزار ہے۔ وہ عائلی مسائل و تنازعات میں بھی اپنے مذہب ہی کو مرجع سمجھتی ہے۔ اور

یہی چیز ایران کے حکمرانوں کے لیے سوہان روح بنی ہوئی ہے۔

۳۔ ایران کے ۲ کروڑ باشندے اپنی جہالت و غربت کے باوجود دین سے وابستگی ختم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کے دل و دماغ پر اپنے مذہبی پیشوا اور علماء قابض ہیں۔ ان کے مشائخ جس چیز کو اسلام کے منافی قرار دیتے ہیں اُسے کوئی طاقت اُن سے نہیں منوا سکتی۔ عوام کی اس "اندھی عقیدت" سے ملاحدہ سخت چیں بجبیں ہیں۔ اور اس اندھی عقیدت کو ختم کرنے کے لیے تین عناصر پوری طرح متحد ہیں: یہودی، کمیونسٹ، اور بہائی۔ اور چوتھا "خلیفہ ان کونسل"۔ یہ متحدہ محاذ ایران سے دین کا نام و نشان مٹانے کے لیے پوری طرح تلا ہوا ہے۔

۴۔ جیسا کہ پیراگراف نمبر ۱ میں عرض کیا گیا ہے، ایران کی اقتصادی رگ یہودی سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے۔ یہودی اپنے اقتصادی نفوذ کے ذریعہ درپردہ سیاسی اغراض کی خدمت بھی کر رہے ہیں اور نشر و اشاعت کا بڑا مؤثر ذریعہ ان کے تصرف میں ہے۔ فری میسن کا بڑا مضبوط مرکز ایران میں کام کر رہا ہے اور مختلف راستوں سے ایرانی سیاسیات پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں سے صرف دو ملک ایسے ہیں جنہوں نے اسرائیل کو تسلیم کیا ہے۔ ایک ترکی اور دوسرا ایران۔ ترکی صیہونی زعماء اور مفکرین کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ انہوں نے ترکی میں اسلامی تہذیب پر ضرب کاری لگانے کے بعد اب ایران پر اپنی نگاہیں مرکوز کر رکھی ہیں۔ ایران کا بہائی فرقہ (جو چند سال پیشتر خلاف قانون قرار دے دیا گیا تھا) یہودیوں کا آلۂ کار بنا ہوا ہے اور اخبارات و رسائل میں اس کا زہر بلا خوف مسلسل سرایت کرتا جا رہا ہے۔ رہے ایران کے کمیونسٹ، تو وہ ماسکو کے اشارے پر ناچ رہے ہیں۔

۵۔ ایران کے علماء باہمی اختلافات سے پاک ہیں۔ پچھلے پانچ سالوں سے انہوں نے عصری تقاضوں کے پیش نظر اپنے کام میں معتدبہ تبدیلیاں کر لی ہیں۔ ان کی زیادہ تر توجہ اب مذہب کے کلامی مسائل اور فروعی اختلافات کے بجائے ملت اسلامیہ کی اصلاح پر مرکوز ہے۔ انہوں نے اپنے تمام اداروں کو ایک منظم تحریک کی شکل دے رکھی ہے۔ قم ان کا سب سے بڑا مرکز ہے جہاں ان کے مذہبی پیشوا رہتے ہیں۔ قم میں ایک بہت بڑا تعلیمی ادارہ اور ایک اشاعتی مرکز قائم ہے۔ تعلیمی ادارہ (الجامعۃ الاسلامیہ)

میں ۶ ہزار کے قریب طلبہ زیر تربیت ہیں۔ ان کے اشاعتی مرکز نے پچھلے ۵ سال میں اسلام کے سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی نظام پر مسلسل لٹریچر شائع کیا ہے۔ اس کے تحت ایک مضبوط دار الترجمہ کام کر رہا ہے جو اردو، عربی اور انگریزی زبانوں سے اسلامی لٹریچر کو فارسی میں منتقل کر رہا ہے۔ اس ادارہ سے جہاں ایک طرف اسلام کے نظام حیات پر مختلف کتابیں شائع ہوتی ہیں وہاں ایران کے موجودہ حالات پر بھی بھرپور تنقید کی گئی ہے اور حکمران طبقے کی بدکرداریں، یہودیوں کی ریشہ دوانیوں اور استعماری سازشوں کو بے خوف و خطر بے نقاب کیا گیا ہے۔ ایران کے حکمرانوں کی نگاہ میں یہ مذہبی تحریک اور اس کا روز افزوں پھیلاؤ بُری طرح کھٹک رہا ہے اور وہ اسے ختم کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں۔

تازہ واقعات | اس پس منظر کے بعد اب اس خونیں ڈرامہ کی تفصیل سنیے جو ایک سال سے ایران میں کھیلا جا رہا ہے:

اس ڈرامے کی ابتدا پچھلے سال ۸ ربیع الاوّل ۱۳۸۲ھ کو ہوئی جبکہ ایرانی کابینہ نے وزیر اعظم اسد اللہ علم کی صدارت میں قانون انتخاب کے ترمیمی بل پر مُہرِ تائید ثبت کی اور اس کی رُو سے آئندہ کے لیے یہ طے کر دیا گیا کہ:

۱- ایرانی عدالتوں اور دوسرے اداروں میں قرآن کریم کے بجائے "آسمانی کتاب" کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

۲- عورتیں انتخابات میں حصہ لے سکیں گی۔ ووٹر کی حیثیت سے بھی اور امیدوار کی حیثیت سے بھی

۳- غیر مسلم کو بھی ووٹ دینے اور امیدوار بن کر کھڑا ہونے کا حق ہوگا (مخلوط انتخاب کے اصول کے تحت)۔

اس بل کی منظوری پر پورے ملک میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ملک بھر کے علماء اور دانشوروں اور سیاسی و اجتماعی حلقوں نے اس کی شدید مخالفت کی، اس کے مضرات و نتائج کے خطرے سے قوم کو آگاہ کیا، اور اسے خلافِ اسلام اور منافیٔ جمہوریت قرار دیا۔ علماء اور دانشوروں کے بیان کے مطابق یہ بل یہودی اور سامراجی عناصر کا راستہ ہموار کرنے کے لیے نافذ کیا گیا ہے۔ کیونکہ غیر مسلموں کو (جو صرف چند

یہودیوں سے عبارت ہیں، مخلوط انتخاب کے اصول کے تحت انتخاب میں حصہ لینے کا حق دینے کے معنی یہ ہیں کہ آئندہ انتخابات میں یہودی اور رآن کے مسفر اپنی اقتصادی طاقت اور اپنے وسیع ذرائع نشرو اشاعت کے بل پر بڑی کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔

ملک گیر ہنگاموں کے جواب میں وزیر اعظم اسداللہ علم نے ترمیمی بل کا عجیب و غریب فلسفہ بیان کرنا شروع کر دیا جس سے یہ ہنگامے فرو ہونے کے بجائے مزید بڑھ گئے۔ اور جب حکومت کے پاس دلیل کی کوئی طاقت نہ رہی تو اُس نے تشدّد اور تہدید کا راستہ اختیار کر لیا۔ علماء پر دست اندازی شروع کر دی جو ان ہنگاموں میں پیش پیش تھے، اور ان کو طرح طرح کی دھمکیوں سے مرعوب کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس قانون کے خلاف لٹریچر شائع کرنے یا بیان جاری کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔ اور جن لوگوں کے پاس ایسا کوئی لٹریچر تھا انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ بیرونی دنیا کو اس کشمکش سے بے خبر رکھنے کے لیے اخبارات کو اس کے بارے میں خبریں شائع کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ مگر ان تمام ہتھکنڈوں اور تدبیروں سے عوام کی مخالفت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ عوام کی شدید مخالفت اور علماء اور زعماء کی متفقہ تنقید کے سامنے وزیر اعظم کو بالآخر گھٹنے ٹیکنے پڑے اور ۳ رجب ۱۳۸۲ھ کو، یعنی بل کی منظوری کے صرف دو ماہ بعد، ایک پریس کانفرنس میں یہ اعلان کرنا پڑا کہ "ریاست کی مجلسِ اعلیٰ نے سولہویں ترمیمی بل پر، جو ۸ جمادی الاول کو کابینہ کی طرف سے منظور کیا گیا تھا، عملدرآمد روک دیا ہے"۔

واضح رہے کہ قانون انتخاب کا یہ ترمیمی بل ایران کی کابینہ نے منظور کیا تھا۔ ایران کا ایوانِ زیریں (اسمبلی) اور ایوان بالا (سینیٹ) دونوں ایک عرصہ سے معطل ہیں۔ اور ایرانی دستور کی رُو سے اس نوعیت کی کوئی ترمیم ایوانِ زیریں اور ایوان بالا ہی کر سکتا ہے۔ کابینہ کا یہ تصرف جمہوریت اور ایران کے قانون اساسی کے صریح منافی تھا۔

شاہ کی مداخلت وزیر اعظم کی پسپائی کے بعد ایران کا سربراہ مملکت اس میدان میں نکلتا ہے اور افسوس ہے کہ اس انتہائی سنجیدہ مسئلے میں قانونی راستہ اختیار کرنے کے بجائے آمی نوعیت کے ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے جو دنیا کے اندر استعماری طاقتیں غلام ممالک کے حق میں استعمال کرتی رہی ہیں۔

شاہ نے شعبان ۱۳۸۲ھ کے اوائل میں طہران میں ایک "کُل ایران کسان کانفرنس" منعقد کی اور اس کے افتتاحی اجلاس میں ۱۵ ہزار مزدوروں اور کسانوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اعلان کیا کہ "میں سربراہِ مملکت اور قائدِ افواج کی حیثیت سے چھ باتوں پر ایرانی عوام سے استصواب کرانا چاہتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ ایرانی عوام ان چھ باتوں میں میرا ساتھ دیں گے۔" ان چھ باتوں میں سے ایک وہ ترمیمی بل بھی تھا جسے کابینہ نے منظور کیا تھا اور وزیر اعظم نے عوام کی شدید مخالفت کے پیشِ نظر واپس لے لیا تھا۔ باقی پانچ امور زرعی اور صنعتی اصلاحات سے متعلق تھے اور ان میں کسانوں اور مزدوروں کو زمینوں اور کارخانوں کی آمدنی میں برابر کا حصہ دار بنانے کا وعدہ تھا اور اوقاف کی زمینوں کو قومی ملکیت میں لینے کا اعلان تھا۔ انتخاب کے ترمیمی بل میں مزید وضاحت کر دی گئی کہ عورت کو مرد کے مساوی حقوق دیئے جائیں گے (وراثت وغیرہ میں)۔ شاہ نے استصواب کے لیے ۲۹ شعبان ۱۳۸۲ھ کی تاریخ مقرر کر دی اور استصواب کے اعلان اور انعقاد کے درمیان نہایت محدود وقفہ رکھا گیا۔ اس وقفہ میں ایرانی عوام اور حکمرانوں کی طرف سے جو ردِّ عمل ہوا ہے اُس کی مختصر رُوداد یہ ہے:

ردِّ عمل ملک بھر میں حسبِ سابق ہنگامے برپا ہو گئے۔ دارالحکومت طہران میں زبردست احتجاجی جلوس نکلا جس میں لاکھوں کی تعداد میں مردوں، عورتوں اور طلبہ نے شرکت کی اور شاہ سے مطالبہ کیا کہ اس خلافِ قانون فیصلے کو منسوخ کیا جائے۔ عوام الناس نے احتجاج کو کامیاب بنانے کے لیے علماء کا پورا ساتھ دیا۔ دوکانداروں اور تعلیمی اداروں نے ہڑتال کی اور پورا شہر طہران کی سڑکوں پر نکل آیا۔ ملک کے باہر بھی ایرانی طلبہ اور تاجروں نے احتجاج کیا۔ واشنگٹن میں اور جرمنی کے متعدد شہروں میں ایرانی طلبہ نے مظاہرے کیے جن کی خبریں اخبارات اور ریڈیو سے نشر ہوئیں۔ واشنگٹن میں ایرانی طلبہ نے ایران کے سفارت خانہ میں مظاہرہ کیا اور اپنے سفیر سے مطالبہ کیا کہ اُن کے احتجاج کو شاہ تک پہنچایا جائے۔

ایران، عراق، لبنان اور دوسرے ممالک سے شاہ کو اور طہران کے ذمہ دار حلقوں کو ہزاروں احتجاجی برقیے، محضر نامے اور خطوط بھیجے گئے جن میں شاہ کی میکیاویلی سیاست پر اظہارِ نفرت کیا گیا۔

ظلم و ستم ایران کے مذہبی مرکز قم میں بھی زبردست مظاہرہ ہوا جس میں ہر طبقہ و خیال کے لوگوں نے

شرکت کی اور استعمار پسندوں، یہودیوں اور کمیونسٹوں سے ملک کو نجات دلانے کا مطالبہ کیا۔ اس جلوس میں دس ہزار افراد نے منظم طور پر شرکت کی۔ مظاہرین نے ہاتھوں میں قرآن کریم اٹھا رکھا تھا اور نعرہ لگا رہے تھے کہ "ہم قرآن کے تابع ہیں۔ یہ کتاب جو فیصلہ کرے وہ برحق ہے" پولیس اور امن کے دستوں نے مظاہرین کو منتشر کرنے کے لیے تشدد کا استعمال کیا اور لوگوں پر لاٹھیاں برسائیں۔ قم کے مدرسہ فیضیہ میں گھس کر علماء اور طلبہ پر ہلہ بول دیا اور اُن کا ساز و سامان لوٹ لیا اور کثیر تعداد کو جیلوں میں بند کر دیا۔

طہران یونیورسٹی کے طلبہ اور اساتذہ نے احتجاجی جلوس نکالے۔ پولیس نے طلبہ کے جلوس پر شدید لاٹھی چارج کیا جس سے سینکڑوں افراد زخمی اور بے ہوش ہو گئے۔ حکومت کی اس کاروائی پر ایران کے تمام حلقوں میں سخت نفرت اور مذمت کا اظہار کیا گیا۔ زخمی طلبہ کو پہلے طہران کے ہسپتال میں داخل کیا گیا، مگر زائرین کی کثرت کی وجہ سے زخمیوں کو ہسپتال سے قبل از وقت ڈسچارج کر دیا گیا۔

تبریز میں عوام نے ریڈیو اسٹیشن کے سامنے مظاہرہ کیا اور صبح سے لے کر شام تک مظاہرین اور پولیس کے درمیان مقابلہ ہوتا رہا۔ مقابلہ میں کچھ لوگ مارے گئے اور بکثرت زخمی ہوئے۔ جو بچ گئے انہیں گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا گیا۔

طہران کی "قزل قلعہ" جیل اور "قصر قجر" جیل مظاہرہ اور احتجاج کرنے والوں سے بھری پڑی ہیں۔ ان پر الزام یہ ہے کہ انہوں نے شاہ کی "مقدس نیت" کی توہین کی ہے۔

قُم میں سیدہ معصومہ کے روضہ کے متولی ابوالفضل تولیت کو گرفتار کر لیا گیا کیونکہ انہوں نے شاہ کے حکم کی تعمیل نہیں کی تھی۔ شاہ جب قُم کے دورہ پر جانے لگے تو ابوالفضل تولیت کو حکم بھیجا گیا تھا کہ وہ شاہ کا استقبال کریں اور پورے مذہبی مراسم کے ساتھ اُن کا خیر مقدم کریں۔ چونکہ شاہ کا یہ دورہ استصواب کے سلسلہ میں تھا اس لیے متولی مذکور نے احتجاجاً استقبال کرنے سے انکار کر دیا۔ اسی جرم کی پاداش میں وہ آج تک نذرِ زنداں ہیں۔

علماء کی مخالفت ایران کے تمام ممتاز علماء نے عوام کو ریفرنڈم میں حصہ لینے سے روک دیا [illegible] میں ایران کے مذہبی مرکز قُم کے پیشوا سید کاظم شریعت مداری، ایران [illegible] ایک [illegible] و نمایاں رہنما

آیت اللہ ابوالقاسم خوئی اور حسن طباطبائی (آیت اللہ بروجردی مرحوم کے صاحبزادے) اور آیت اللہ خمینی ہیں۔ شیراز کے ۴۲ علماء کا مشترکہ فتویٰ بھی استصواب کی تحریم پر صادر ہوا۔ ان فتاویٰ میں استصواب کے مضمرات اور پسِ پردہ اغراض پر روشنی ڈالی گئی۔

علامہ کاظم شریعت مداری نے اپنے فتویٰ میں وضاحت کی کہ "ایسے بنیادی معاملات میں عوامی نمایندوں کے بغیر استصواب کا راستہ اختیار کر لینا انتہائی خطرناک ہے۔ کیونکہ اگر یہ دروازہ ایک مرتبہ کھول دیا گیا تو کل اس امر پر استصواب ہوگا کہ ایران کا سرکاری دین اسلام کے علاوہ کوئی اور ہونا چاہیے! ملک کے اندر ایسے منافق موجود ہیں جو بلاتامل یہ رائے دیں گے کہ اس ملک کے لیے اسلام موزوں نہیں ہے بلکہ یہودیت یا کمیونزم موزوں ہے۔ نیز یہ استصواب ملک کے قانونِ اساسی کے منافی ہے کیونکہ قانونِ اساسی میں استصواب کا طریقہ اختیار کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور ستم یہ ہے کہ یہ استصواب خود قانون اساسی کے اندر ترمیم کرنے کے لیے کروایا جا رہا ہے۔ چند سال پیشتر ایک حکومت نے استصواب کا طریقہ تجویز کیا تھا مگر بعد کی تمام حکومتوں نے اسے موردِ تنقید ٹھیرایا اور اُس حکومت کی بداعمالیوں میں اسے سرِفہرست شمار کیا۔ نیز ایرانی قوم اپنی رائے دینے کے لیے پوری طرح آزاد نہیں ہے۔ اسمبلی اور سینیٹ معطل ہیں۔ پروپیگنڈا کے تمام وسائل حکومت کے ہاتھ میں ہیں یا ان لوگوں کے ہاتھ میں ہیں جو ایرانی عوام کے نظریات کے دشمن ہیں۔ اخبارات پر حکومت کا سنسرشپ ہے۔ عوام کے رہنما جس بات کو پھیلانا چاہتے ہیں اُسے روک دیا جاتا ہے۔ اور استصواب کے لیے وقفہ بھی بہت محدود رکھا گیا ہے۔" علامہ موصوف نے فتویٰ میں شاہ کو توجہ دلائی کہ اگر آپ اپنے زیرِ استصواب مسائل کے بارے میں عوامی رائے معلوم کرنا ہی چاہتے ہیں تو ان مظاہروں اور جلوسوں سے معلوم کر لیں جو طہران، تبریز، شیراز اور دوسرے شہروں میں ہو رہے ہیں۔ علامہ موصوف نے حکومت کے تشدد اور سخت گیری پر بھی شدید احتجاج کیا۔

امام خمینی اور آیت اللہ حسن طباطبائی نے بھی اپنے فتاویٰ میں واضح کر دیا کہ ان مسائل

میں عوام کی رائے دریافت کرنا جن کا صاف حکم شریعت اسلامی میں موجود ہے، حرام ہے۔ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان مسائل میں رائے دریافت کرے یا رائے دے جن کا فیصلہ خدا اور رسول کر چکے ہوں۔

<u>حکومت کی جوابی کارروائیاں</u> حکومت نے عوامی مظاہروں کے بالمقابل مظاہروں کا انتظام کیا۔ ایران کی فاحشہ عورتوں اور ترقی پسند بیگمات کے ہاتھوں میں پلے کارڈ دے کر طہران کی سڑکوں پر شاہ کے حق میں نعرے لگوائے۔ اور پھر ان ناکام مظاہروں کی تصویریں اور من گھڑت روودادیں شائع کر کے ایرانی عوام کو اور بیرونی دنیا کو دھوکہ دینے کی کوشش کی۔

شاہ اور اس کی موجودہ حکومت عوامی مجالس کو معطل کر کے مذکورہ مسائل پر استصواب سے جن خواہشات کو پورا کرنا چاہتی تھی وہ اگرچہ ڈھکی چھپی نہیں تھیں لیکن خود ان کے اپنے متعدد بیانات سے مزید ان کی وضاحت ہو گئی۔ "کل ایران کسان کانفرنس" میں، جس کے افتتاحی اجلاس میں شاہ نے استصواب کا اعلان کیا تھا، ایران کے وزیر زراعت ارسنجانی نے ۱۵ ہزار مزدوروں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"ہم مزدوروں اور کسانوں کے حالات بہتر بنانا چاہتے ہیں۔ ہم فساد انگیز قدامت پرستی کا قلع قمع کرنا چاہتے ہیں۔ عورت کو سوسائٹی میں مناسب مقام دینا چاہتے ہیں۔ . . ."

اس کے بعد وزیر صاحب نے ایک باپردہ عورت کی طرف اشارہ کر کے کہا: "ہم اپنے معاشرے سے پردے کے جھگڑے کو ختم کرنا چاہتے ہیں . . . . کیونکہ پردہ عورت کی سوشل سرگرمیوں میں حائل ہو رہا ہے" . . . . وزیر صاحب نے کسانوں اور مزدوروں سے پوچھا کہ کیا آپ لوگ ہمارا ساتھ دیں گے۔ وزیر کے اعلان پر پورے مجمع میں سے ایک آواز بھی نہ بلند ہوئی۔ صرف اسٹیج پر بیٹھے ہوئے چند خوشامدیوں نے اپنے ہاتھوں سے تائید کا اشارہ کیا۔

وزیر زراعت نے ایک اور موقع پر بیان دیتے ہوئے تصریح کی کہ "ملک کا قانون اساسی نصف صدی قبل ایرانی عوام کے خیالات و افکار کے ہم آہنگ تھا لیکن اب اس میں ترمیم ضروری ہو گئی ہے"۔ اس سے صاف واضح ہے کہ استصواب کا مقصد ملک کے قانونِ اساسی میں تبدیلی ہے۔ نصف صدی پرانا قانون اسلام کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دیتا ہے۔ ملکیت اور وراثت اور دوسرے عائلی مسائل میں اسلام کی طرف رجوع کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ یہودیوں اور کمیونسٹوں کے تخریب پسندانہ نظریات کا مخالف ہے۔ خود شاہی خاندان کو بعض حدود کا پابند کرتا ہے۔ مرد و زن کی مساوات کی آڑ میں فحاشی کی حمایت نہیں کرتا۔ لیکن اب ان تمام چیزوں سے نجات پانے کے لیے نصف صدی قبل کے قانونِ اساسی سے نجات پانا ضروری ہو گیا ہے۔ یہ غرض چونکہ عوامی مجالس کی موجودگی میں حاصل نہیں ہو سکتی لہٰذا مجالس کو معطل کر کے "ریفرنڈم" کا ذریعہ اختیار کیا گیا ہے۔ اور یہ ریفرنڈم جلدی جلدی ایسی حالت میں کرایا جا رہا ہے کہ عوامی رہنماؤں کو اظہار رائے اور نشر و اشاعت کے تمام ذرائع سے زبردستی محروم کر دیا گیا ہے۔

استصواب کس شان سے ہوا

حکومت نے — اور صحیح الفاظ میں شاہ اور اس کے محافظ دستوں نے — عوام کے پُرزور احتجاجات، ایران کے اربابِ فکر و نظر کی دندان شکن تنقیدات اور علماء کے فتاویٰ کے علی الرغم ۲۹ شعبان ۱۳۸۲ھ کو استصواب کا ڈھونگ رچایا لیکن استصواب کی تاریخ آنے سے قبل ملک کی یہ حالت تھی کہ ملک بھر کے اندر مظاہرے ہو رہے تھے اور ہڑتالیں ہو رہی تھیں اور حکومت پوری ڈھٹائی کے ساتھ لوگوں پر گولیاں برسا رہی تھی۔ گرم گرم سلاخوں سے ان کے جسموں کو داغا جا رہا تھا اور بوڑھوں اور عورتوں کی کھوپڑیوں کی ٹھوکروں سے خبر لی جا رہی تھی۔ ۲۹ شعبان ۱۳۸۲ھ کو علماء اور زعماء کی کثیر تعداد جیلوں میں تھی اور کسی دینی اور اصلاحی جماعت کا سربراہ اور کوئی سوشل ورکر باہر نہ تھا۔ ممتاز مذہبی پیشواؤں کو نظر بند کر رکھا تھا۔ طہران کے علامہ آیت اللہ اصفہانی نے استصواب کی مخالفت میں علی

استصواب سے ایک روز قبل ایک بہت بڑے جلوس کی قیادت کرنا چاہی، جو طہران کے تمام طبقوں کا نمائندہ جلوس تھا اور جس کی اگلی صفوں میں علماء، خطباء اور تجار اور وکلاء تھے مگر پولیس نے علامہ موصوف کو جلوس کی قیادت سے روک دیا اور تتر بتر کرانے جلوس پر فائرنگ کی۔ اور جب مظاہرین نے اردگرد کے گھروں میں پناہ لی تو پولیس نے گھروں میں گھس کر ان کو گرفتار کیا اور علامہ آیت اللہ بہبانی کے حرم میں داخل ہو کر اُن کی عزت پر حملہ کیا۔ اسی طرح پولیس نے علامہ خونساری کو مسجد میں نماز ادا کرنے سے منع کر دیا اور اُن کی شدید توہین کی۔

استصواب میں ایران کے ۲ کروڑ باشندوں میں سے صرف چند لاکھ افراد نے حصّہ لیا ہے جن میں اکثریت حکومت کے ملازمین کی ہے۔ ملازمین کو باقاعدہ سرکاری طور پر استصواب میں رائے دینے کا حکم دیا گیا اور شاہ کی "مقدس نیت" کی تائید کرنے کی تلقین کی گئی۔ ان کے علاوہ یہودیوں اور بہائیوں نے "زرِ کثیر" صرف کرکے ایسے حامی پیدا کر لیے جو دین و اخلاق سے عاری تھے۔

استصواب کے روز پُورے ملک پر غم و غصّہ کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اور استصواب کے بعد بھی رمضان اور شوال میں پیہم اس ڈھونگ سے اظہارِ براءت کیا جاتا رہا اور حکومت اور قوم کے درمیان مختلف تقریبوں میں بحث و کشمکش جاری رہی۔

ظلم کی انتہا ۲۵ شوال ۱۳۸۲ھ کو ایران کی سرزمین پر ایک اور دردناک حادثہ رونما ہوا۔ قُم میں، جو ایران کی مذہبی قیادت کا مرکز ہے، ۲۵ شوال کو امام جعفر صادق کا یومِ وفات تھا۔ اس روز حسبِ دستور قُم کی اسلامی یونیورسٹی میں ایک بہت بڑا اجتماع ہوا جس میں قُم اور اطراف و نواح سے ۲۰ ہزار مندوبین نے شرکت کی اور ایران کے ممتاز علماء اور خطباء جمع ہوئے۔ حکومت قُم کے مذہبی مرکز سے پہلے ہی خار کھائے بیٹھی تھی اور حیلوں اور بہانوں سے اس کو نیست و نابود کرنا چاہتی تھی۔ امام جعفر صادقؓ کے یومِ وفات پر ایک عظیم اجتماع کا انعقاد اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ چنانچہ جب یونیورسٹی کے کشادہ صحن میں اجتماع کا آغاز ہوا تو یکایک ۳۵ ٹرک جن میں ڈیڑھ ہزار کے قریب سفید پوش فوجی تھے اجتماع گاہ میں آکر

اُترے۔ یہ ایرانی فوج کے ان دستوں سے تعلق رکھتے تھے جنہیں "کمانڈو" کہا جاتا ہے اور جن میں وحشت و درندگی کوٹ کوٹ کر بھری جاتی ہے۔ اجتماع کی کارروائی کا آغاز ہی ہوا تھا کہ ان فوجیوں نے "شاہ زندہ باد" اور "شاہی خاندان زندہ باد" اور "سوشل اصلاحات زندہ باد" کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ مقررین کے لیے اپنی تقریروں کو جاری رکھنا دشوار ہو گیا۔ ایک دو تقریریں ہی ہوئیں کہ ان فوجیوں نے حاضرین پر ہلّہ بول دیا اور وہ طوفانِ بدتمیزی اور ظلم و تشدد برپا کیا کہ اسے سُن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسلامی یونیورسٹی کے کم عمر طلبہ، جو اس ہنگامۂ دار و گیر سے خوف زدہ ہو کر مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے تھے ان سفاکوں نے انہیں اُٹھا اُٹھا کر چھتوں سے نیچے پھینکا۔ اُن میں سے اکثر اسی وقت جاں بحق ہو گئے اور کچھ زخموں کی تاب نہ لا کر دو تین روز کے بعد مر گئے۔ عمارتوں کے شیشے اور کمروں کے دروازے توڑ ڈالے۔ طلبہ اور اساتذہ کا تمام ساز و سامان نذرِ آتش کر دیا۔ ان کی قیمتی اشیاء کو لوٹ لیا۔ قرآن مجید اور مذہبی کتب کی توہین کی۔ لائبریریوں کی کتابوں کو (جو نہایت نایاب ذخیروں پر مشتمل تھیں) جلا کر خاکستر کر دیا۔ اور دو گھنٹے تک ایسا غلغلۂ رستا خیز برپا کیا کہ یونیورسٹی کا صحن اور دیواریں انسانی خون سے لالہ زار بن گئیں۔

اسی روز تبریز میں بھی یہی ڈرامہ کھیلا گیا۔ امام جعفر صادقؓ کے یومِ وفات کی تقریب میں جو جلسہ ہو رہا تھا پولیس اور تحفظِ امنِ عامہ کے دستوں نے اس پر حملہ کر دیا اور بے تحاشا فائرنگ کی اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا۔ یہ وہی تبریز ہے جس کی وطن دوستی کا اعتراف خود شاہ کو ہے۔ شاہ نے ایک تقریر میں کہا تھا کہ "تبریز ایران کا نہایت وفادار علاقہ ہے۔ اہلِ تبریز ہی ہیں جنہوں نے اس پورے علاقہ سے کمیونسٹوں کا خاتمہ کیا ہے اور کمیونسٹوں کے سرغنے پیشہ وری کی تحریک کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا ہے۔"

مشہد میں بھی، جہاں امام رضاؒ کا روضہ ہے یہی حادثہ فاجعہ پیش آیا۔ پولیس نے

وہاں کی تمام نمایاں شخصیتوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں بھر دیا اور انہیں دھمکیاں دی گئیں کہ اگر وہ "مرضئ شاہ" کے خلاف کوئی اقدام کریں گے تو اس ملک میں اُنہیں کوئی پناہ نہیں مل سکے گی۔ ان حوادث پر تمام ملک میں سوگ منایا گیا۔ ماتمی محفلیں منعقد ہوئیں۔ ہڑتالیں ہوئیں۔ حتیٰ کہ ٹیکسی ڈرائیوروں نے بھی ملک گیر ہڑتال کی۔ ملک کے کونے کونے سے شاہ کو مذمت کے تار بھیجے گئے۔ عزا اور فاتحہ کی مجلسوں میں شہداء کے لیے دعائیں کی گئیں۔ اور پورا ملک سراپا افسوس و ماتم بن گیا۔ مذفول کی فوجی چھاؤنی میں فوج کے آفیسروں نے اس واقعہ پر اظہارِ غم کیا جس کی پاداش میں ۲۶ فوجی افسروں کا کورٹ مارشل کیا گیا اور انہیں موت کی سزا دی گئی۔

فوج کے افسروں کے ساتھ یہ سلوک فوج کے اندر مزید اضطراب و انتشار پیدا کرنے کا موجب ہوا ہے۔ اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ فوجی آفیسرز کی طرف سے متواتر ایسے گمنام پمفلٹ شائع ہو رہے ہیں جن میں شاہ کے اقدامات اور قم و تبریز کے حوادث پر احتجاج کیا گیا ہے۔ قرآن کریم کی بے حرمتی اور مذہبی کتابوں کو نذرِ آتش کر دینے پر سخت غم و غصہ کا اظہار کیا گیا ہے اور شاہ کے اقدامات کو خلافِ قانون قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ملکی فوج کے اندر ایسے خیالات کا پرورش پانا ملک کی سالمیت کے لیے انتہائی نقصان دہ ہے۔

حکومتِ ایران کے ان مظالم پر نہ صرف ایران کے ہر طبقہ و خیال کے لوگوں نے انتہائی غم و افسوس کا اظہار کیا ہے اور اس کے نتائج کو ایران کے لیے انتہائی مضر قرار دیا ہے بلکہ عراق کے عوام نے بھی اس پر شدید احتجاج کیا ہے۔ عراق سے تمام شیعہ اور سُنی علماء نے حکومتِ ایران کو احتجاجی محضر نامے بھیجے ہیں، دنیا کے تمام مسلم اور غیر مسلم ممالک کے سربراہوں کو ایرانی حکومت کے مظالم پر توجہ دلائی ہے اور انسانیت کے نام پر ان سے دخل دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ بس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ ایرانی علماء کی اکثریت جیلوں میں ہے اور جو باہر ہیں انہیں عوام الناس سے بالکل منقطع کر دیا گیا ہے۔ لازمی فوجی تربیت کا آرڈی ننس جاری کر کے ان تمام طلبہ کو فوج کے حوالے کر دیا گیا ہے جو ایران کے مذہبی مدارس میں زیرِ تعلیم تھے۔ مذہبی لٹریچر کی اشاعت

ممنوع قرار دے دی گئی ہے اور وہ تمام اخبارات و رسائل بند کر دیئے گئے ہیں جو مذہبی حلقوں کی طرف سے نکلتے تھے یا مذہب کی حمایت کرتے تھے۔ زرعی اصلاحات کے بہانے سے علماء کی ذاتی ملکیتوں کو چھینا جا رہا ہے اور اُن کے بچوں اور عورتوں کو طرح طرح سے خوف زدہ کیا جا رہا ہے۔ ایران کے تمام مذہبی ادارے اس وقت معطل ہیں۔ مساجد میں اذان و جماعت کا انتظام ختم ہو چکا ہے۔ شر پسند اور اسلام دشمن عناصر اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ایران سے مذہب کے اثر و نفوذ کو کلیۃً ختم کرنے کے لیے سرگرم ہیں۔

یہ ہیں وہ دلگداز حالات جن سے ہمارا ہمسایہ اسلامی ملک ایران اس وقت گزر رہا ہے۔

خواتین کا تعمیری و اصلاحی جریدہ

ماہنامہ بتول

جملہ مطبوعات ادارہ بتول
اور۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

و دیگر اداروں کی ہر قسم کی دینی، علمی و ادبی کتب ملنے کا پتہ:۔

ادارہ بتول ۱۴۔ اے ذیلدار پارک اچھرہ۔ لاہور